IMPORTANT NOTE FOR THE READER

The footnotes of Iqbal's Urdu verves are from Kulliyat-e Iqbal Urdu published by Iqbal Academy, Lahore and the footnotes of Persian verses have been taken from Kulliyat-e Iqbal Farsi by Asad Publications, Lahore. However the first number of footnotes of all the Urdu and Persian verses are the same as appear in books of Iqbal.

The only exception in the above is with the footnote No. 36 at page 11, where the reference of relative Persian verses is derived from Kulliyat-e Iqbal Farsi pulished by Iqbal Aqbal Academy, Lahore.

G. Sabir,
Chairman Iqbal Academy
Scandinavia,

Copenhagen

اقبال اور عشقِ رسالت مآب ﷺ

محمد اویس جعفری
سیاٹل، امریکہ
مترجم: غلام صابر

عشقِ حقیقی کی تعریف میں مولانا فرید الدین عطّار لکھتے ہیں کہ ایک شب تمام عشّاق پروانے ایک مرکز پر جمع ہوئے اور شمع کے سلسلہ میں اپنے تجسس کا اظہار اس طرح کیا کہ ہم میں سے کون ہے جو جاکر ہمارے معشوق کی خبر لا کر دے۔ یکے بعد دیگرے کچھ پروانے اس قلعہ کی طرف گئے جہاں شمع روشن تھی اور اپنے اپنے مشاہدہ کی روشنی میں مشتاقانِ دید سے آکر آنکھوں دیکھا حال بیان کیا جو ناکافی بھی تھا اور شوقِ دید کے لیے مہمیز بھی۔ ایک پروانہ شمع کے اس قدر قریب گیا کہ اس کی تپش اس کے لیے ناقابلِ برداشت ہوگئی۔ واپس آکر اس نے اپنی سرگزشت بیان کی تو اسے سن کر ایک پروانہ جو نشہ عشق کی کیفیت سے سرشار تھا، اڑا، طوافِ شمع کیا، اس سے ہمکنار ہوا، اس میں جذب اور ''من تو شدم تو من شدی'' کی عملی تصویر بن کر خود شمع کی روشنی بن گیا۔

ایک مستشرق مارگریٹ اِسمتھ عشق کی تعریف یوں کرتی ہیں: ''عشق شرابِ حیات ہے۔ یہ وجد کی اس کیفیت کا نام ہے جو صرف قربِ الٰہی سے میسر آتی ہے۔ یہ عشقِ حقیقی تمام خود غرضانہ مقاصد سے پاک ہوتا ہے۔ ایسے ہی ایک عاشق سے کسی نے سوال کیا کہ تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جارہا ہے، تو اس نے جواب دیا کہ وہ اپنے محبوب کے پاس سے آیا ہے اور اسی کے پاس واپس جارہا ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تو کس کی تلاش میں ہے اور تونے کیا زیبِ تن کیا ہوا ہے، تو جواب ملا کہ مجھے محبوب کی تلاش ہے اور میرا جسم اسی کے لباس میں مستور ہے، مزید سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ میرا چہرہ اس کی جدائی میں زرد اور میری زبان پر اسی کے نام کا ورد ہے جو اس وقت تک جاری رہیگا، جب تک میں اس کے

چہرہ کی دید سے سرفراز اور اس کے وصل سے ہمکنار نہیں ہو جاتا۔" یہی عشق کہ وہ بادۂ صد آتشہ ہے جو اقبال کے کلام میں موجزن ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر دفاتر قلبند کیے جا سکتے ہیں۔ بالِ جبریل میں وہ عشق کی تعریف میں یوں لب کشا ہوئے:

عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصوّرات
صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حُسینؓ بھی ہے عشق
معرکۂ وجُود میں بدر و حُنَین بھی ہے عشق[1]

عشق وہ واحد وصف ہے جو انسانی کارناموں کو حیاتِ جاوداں عطا کرتا ہے۔ عشق کی بے پناہ، عالمگیر اور غیر فانی قوتوں کا اندازہ "مسجد قرطبہ" کے ان اشعار سے ہوتا ہے:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ — عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفیٰؐ — عشق خدا کا رُسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گِل تابناک — عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاسُ الکِرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جُنود — عشق ہے ابنُ السّبیل، اس کے ہزاروں مقام
عشق کے مِضراب سے نغمۂ تارِ حیات — عشق سے نُورِ حیات، عشق سے نارِ حیات[2]

پروفیسر نغمہ زیدی عشق کی تعریف کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "مردِ خدا کا خمیر عشق سے اٹھتا ہے، عشق اصلِ حیات ہے...... عشق جاوداں ہوتا ہے...... عشق ایک پاکیزہ روحانی بلکہ آسمانی جوہر ہے، عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰے ہے۔ عشق کی عظمت، رفعت، طہارت اور روحانیت کے اظہار کے لیے اقبال نے عشق کو دو عظیم ہستیوں سے وابستہ کر دیا ہے۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اللہ تعالیٰ کے عشق کا مرکز ہے اور مصطفٰے کا دل عشقِ الٰہی کا گہوارہ، عشقِ جبرئیل کا نفس، عشق خدا کا کلام ہے۔ اپنے محبوب سے عشق کی بدولت اللہ تعالیٰ نے کلام پاک نازل کیا، اور محبت کے اس مرکز کو رحمتہ اللعالمین بنا کر بھیجا......"

اقبال کی کشتِ جاں میں نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم سے عشق کی تخم ریزی بچپن کے ماحول اور تربیت کی مرہونِ منت ہے۔ والد شیخ نور محمد متقی و پرہیز گار اور صوفیاء کرام سے عقیدت رکھتے تھے، اور پھر نامور

[1] Bal-e Jibreel pp 439/262
[2] Bal-e Jibreel pp 420/350

عالم مولانا سید میر حسن جیسے استاد نے ایک عبقری ذہن پر جو نقوش چھوڑے اس نے اقبال کو بتدریج شاعر، ساحر، دانشور، مفکر اسلام، اور بزبان شعر ترجمانِ قرآن بنادیا۔ قرآن فہمی کے سلسلہ میں یہ شعر اقبال کے ہمعصر مولانا گرامی سے منسوب ہے:

در دیدۂ معنی نگراں حضرتِ اقبال
پیغامبری کردد و پیمبر نہ تواں گفت

مولانا فیض الحسن سہارنپوری بھی اقبال کے استاد رہے۔ ایم اے فلسفہ کی تحصیلِ علم کے دوران پروفیسر سر تھومس آرنلڈ سے تعلق نے اقبال کی علمی اور فکری زندگی کا حتمی رخ مقرر کر دیا۔ مشرق کی صہبا سے سرشار رہتے ہوئے، علم کی تشنگی انھیں دیار مغرب کے میخانوں کی جانب لے چلی۔ اولیاء اللہ سے اقبال کو ہمیشہ عقیدت رہی، چنانچہ سفر سے پہلے آستانۂ حضرت نظام الدین اولیاء پر حاضری دیتے وقت یوں نغمہ سرا ہوئے، چند اشعار:

چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے — شرابِ علم کی لذّت کشاں کشاں مجھ کو
فلک نشیں صفَتِ مہر ہُوں زمانے میں — تری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
دلوں کو چاک کرے مثلِ شانہ جس کا اثر — تری جناب سے ایسی مِلے فغاں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھُول ہو جائے! — یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے![1]

مغرب میں تحصیل علم سے ان کی عقل میں یقیناً اضافہ ہوا، ذہنی افق کو مزید وسعت ملی لیکن یہ عقدہ کھلا کہ عقل و علم پر جب تک توحید کی سان نہ چڑھے وہ "محو تماشائے لبِ بام" ہی رہتی ہے، جب کہ عشق حقیقی نہ صرف "آتشِ نمرود میں بے خطر کود" پڑتا ہے، بلکہ وہ "اِک جست میں قصّہ تمام" کرتے ہوئے "اس زمین و آسماں" کو بیکرانی کو طے کر لیتا ہے۔ مغرب سے واپسی پر اس حقیقت کا اظہار ہوا:

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں[2]

[یورپ کے دانشوروں کے درس نے میری عقل میں اضافہ کیا، لیکن میرے سینے کو اہلِ بصیرت نے روشنی عطا کی۔] ، اور عشق نے وہ بصارت اور بصیرت عطا کی کہ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوہِ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف[1]

---

[1] Bang-e Dara pp. 122,123/186
[2] Payam-e Mashriq pp. 145/315

اقبال کا عقیدۂ توحید پختہ تر ہوتا گیا اور تجسس، اور شوق و تحقیق نے انھیں قبیلۂ موحدین اور کاروانِ عشاقانِ سید الانبیاء کے ممتاز سالاروں کی صف میں ایک نمایاں اور اعلیٰ و ارفع مقام پر لا کھڑا کیا۔ ان کی فکر کا مرکز و محور ارشادِ خداوندی کے مطابق "لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ ۞۴" یعنی انسان کائنات میں تخلیق کا بلند ترین مظہر ہے اور اسی لیے خلاقِ عالم نے انسان کو "خلیفۃ الارض" [البقرہ: ۳۰] کا منصب عطا فرمایا۔ بقول اقبال:

حرفِ "انّی جاعل" تقدیرِ او
از زمیں تا آسماں تفسیرِ او[2]

[اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ میں آدم کو زمین میں اپنا نائب بناتا ہوں اور زمین سے آسمان تک ہر شے کی تسخیر اس کی تقدیر ہے۔]

لیکن اس منصب کے حصول کے لیے انسان کو ایک حدیثِ مبارکہ کے مطابق "تخلقو باخلاق اللہ" یعنی انسان کو صفات حمیدہ کا حاملؔ، حسنِ اخلاق اور اعلیٰ سیرت و کردار کا مظہر، بہ الفاظِ دیگر "انسانِ کامل" ہونا ضروری ہے، جس کی زندگی آئینِ الٰہی کی عملی تفسیر ہوتی ہو، جس کے فیضِ بے پایاں سے یہ انسان کامل اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس کے چشم و گوش اور دست و پا بن جاتے ہیں۔ حدیثِ قدسی ہے:

[اور جب میں اس [بندہ مومن] سے محبت کرتا ہوں تو اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اس کی وہ بصارت بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اس کا وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔]

علماء کرام نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کو صفات الٰہی کا مظہر تسلیم کرتے ہوئے قرآنِ پاک کی اس آیت کا حوالہ دیتے ہیں:

"وَمَا رَمَیۡتَ اِذۡ رَمَیۡتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی"

[اے محبوب، جب تونے {غزوۂ بدر} وہ کنکریاں پھینکیں تھیں تو تونے انھیں نہیں پھینکا تھا، بلکہ اللہ نے وہ کنکریاں پھینکی تھیں۔] {آیت ۱۷: سورت انفال}۔

اقبال کہتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ   غالب و کار آفریں، کارکُشا، کارساز

---

[1] Bal-e Jibreel pp. 373/178
[2] Payam-e Mashriq pp. 68/656

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات   ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز[1]

ایک جہاں جانتا ہے کہ اس منزل صفاتِ الٰہی تک کون پہنچا ہے، کون ایسا راہنما، قائد و راہبر "بندۂ مولیٰ صفات" ہے جس کے نقشِ پا اس منزل کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا اظہار خود مالکِ ارض و سما نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔ "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ" "تمہارے لیے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔ اقبال اسی "انسانِ کامل" بلادِ عرب کے کملی پوش، امیّ لقب، بوریہ نشین، شہِ عرب و عجم کی ذاتِ والا صفاتِ اقدس و اطہر کے عاشقِ صادق ہیں۔ حضور ہی وہ منتہا ہیں جن کے دامن میں ازل و ابد سمائے ہوئے ہیں۔ جس کو عشقِ رسول کی دولت مل گئی اس کے دامن میں دنیاوی و اخروی دولت سمٹ آئی۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشۂ سامانِ اوست[2]

[جس کسی نے عشقِ محمد کو اپنا سامان بنالیا، تو پھر اس کے دامن کے گوشے میں بحر و بر آجاتے ہیں۔]

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں[3]

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رو[4]

[اگر تو اس دنیا میں اپنا مقام چاہتا ہے تو پھر اپنے دل کو خدا سے آباد کر اور رسولِ کریم کے بتائے ہوئے راستہ پر چل]

نظم "فقر" میں عشقِ مصطفےٰ کے فقدان کو ساری خرابیوں کا سبب قرار دیتے ہیں:

اے تہی از ذوق و شوق و سوز و درد   می شناسی عصرِ ما با ما چہ کرد
عصرِ ما را از زما بیگانہ کرد   از جمالِ مصطفےٰ بیگانہ کرد
سوز او تا از میانِ سینہ رفت   جوہرِ آئینہ از آئینہ رفت[5]

[1] Bal-e Jibreel 424/418

[2] Payam-e Mashriq pp. 20/190
[3] Iqbal's Jawab-e Shikwa last verses.
[4] Armaghan-e Hijaz pp. 65/947
[5] Pas Che Bayad Kard pp. 24/280

[تو جو ذوق وشوق اور سوز و درد سے خالی ہے، کیا تجھے علم ہے کہ ہمارے دور نے ہمارے ساتھ کیا کیا ہے؟ اس دور نے ہمیں اپنے آپ سے بیگانہ کر دیا ہے۔ اس نے ہمیں جمالِ مصطفٰے سے بیگانہ کر دیا ہے۔ جب حضور کا عشق سینے سے نکل گیا تو آئینہ کے اندر سے اس کا جوہر جاتا رہا۔]

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کو رسول اللہ کی محبت سے یہ کہہ کر "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" [اے محبوب فرما دیجئے، اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو، اسطرح اللہ تم کو اپنا محبوب بنالیگا] سے مشروط فرما دیا۔

ایک حدیثِ قدسی ہے: "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الافلاک" یعنی [اے محبوب، اگر تو نہ ہوتا تو میں افلاک تخلیق نہ کرتا]۔ یعنی حضور ہی وجہ تخلیقِ عالمِ آب و گِل ہیں۔ سرکارِ دوعالم نے ایک اور مرتبہ ارشاد فرمایا: "اَوّلَ ماخَلَقَ اللہ نوری و آدم بینَ المَاءِ والطین۔" [سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا فرمایا اور اسوقت آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھا]۔ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے اقبال حضور کی شان میں یوں رطب السان ہوتے ہیں:

وہ دانائے سُبل، ختم الرُّسل، مولائے کُلؑ جس نے
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل، وہی آخر
غُبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیِ سینا
وہی قُرآں، وہی فُرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ[1]

{ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا قولِ گرامی ہے: "کان خلقه القرآن" کہ حضور ﷺ کی ذاتِ مجسم قرآن تھی۔}

یہ اشعار بھی اسی نگاہِ عشق و مستی کے فیضان کے ترجمان ہیں:

آیۂ کائنات کا معنیِ دیر یاب تُو — نکلے تری تلاش میں قافلہ ہائے رنگ و بُو[2]
لَوح بھی تُو، قلم بھی تُو، تیرا وجود الکتاب — گُنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالَمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ — ذرّۂ ریگ کو دیا تُو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود — فقرِ جُنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام — میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے — عقل غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب[3]

[1]. Bal-e Jibreel pp. 363/410
[2]. Bal-e Jibreel pp. 116/440
[3]. Bal-e Jibreel pp. 116,117/440,441

اوراب یہ وجد آفریں اشعار ملاحظہ ہوں:

طور موجے از غبارِ خانہ اش کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش
بوریا ممنونِ خوابِ راحتش تاجِ کسریٰ زیرِ پائے امتش
در شبستانِ حرا خلوت گزید قوم و آئین و حکومت آفرید
ماند شب با چشمِ او محروم نوم تا بہ تختِ خسروی خوابیدہ قوم
وقتِ ہیجا تیغِ او آہن گداز دیدہِ او اشکبار اندر نماز
در دعائے نصرت آمیں تیغِ او قاطعِ نسلِ سلاطیں تیغِ او
در جہاں آئینِ نو آغاز کرد مسندِ اقوامِ پیشِ در نورد
از کلید دیں در دنیا کشاد ہم چو او بطنِ اُمِ گیتی نژاد
در نگاہِ اُو یکے بالا و پست با غلام خویش بریک خواں نشست[1]

[ہماری آبرو آپ صلیٰ اللہ علیہ وسلم نامِ نامی ہی کی بدولت ہے۔ کوہِ طور آنحضرت کے مسکن کی خاکِ اور کعبہ آپکا کاشانہ ہے۔ وہ ذاتِ گرامی جس نے خود بوریے پر لیٹ کر زندگی گزاری، مگر اپنی امت کو ایسا فروغ بخشا کہ تاجِ کسریٰ ان کے قدموں میں روندا گیا۔ آپ نے تاریکیِ غارِ حرا میں راتیں بسر فرمائیں اور ایک نظام، ایک آئین، اور ایک مثالی حکومت قوم کو عطا فرمائی۔ آپ نے شب بیداری میں زندگی بسر کی تاکہ آپ کی امت تختِ خسروی پر جلوہ فرما ہو۔ میدان جنگ میں آپ کی تلوار فولاد کو پگھلا دیتی ہے، مگر نماز میں آپ کی ذاتِ اقدس اپنے معبود و مسجود کے سامنے آبدیدہ اور گریہ کناں ہے۔ آپ کی شمشیر اپنے جلو میں فتح و نصرت لیے ملوکیت کی بیخ کنی کرتی ہے۔ آپ نے دنیا کو نیا نظام و آئین بخشا اور تمام پرانی قوموں کی بساط الٹ دی۔ آپ نے فرمایا کہ دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولو تو راہِ راست پاوگے۔ آپ کی نظر میں بلند و پست سب انسان برابر ہیں۔ آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے ہیں۔]

عشقِ رسول اور اتباعِ رسول اقبال کی رگ و پے میں موجزن اور ان کی لبریز صراحی سے یہ بادہ عشق ہمہ وقت چھلک رہی ہے۔ جب انکی طویل نظم "شکوہ" شائع ہوئی تو نام نہاد "دینِ ملا فی سبیل اللہ فساد" کے قبیل کے ناقدین نے ان پر کفر کا فتوہ صادر فرما دیا۔ حیرانی اس بات پر ہے کہ ان کے خوشہ چینوں میں بعض بہت ہی معتبر و معروف نام بھی شامل ہیں۔ حالانکہ بقول مفسرِ قرآن حضرت مولانا احمد عبد المجیب قاسمی ندوی "شکوہ" کا مفہوم و مطلب شکایت نہیں بلکہ اظہارِ رنج و غم ہے۔ وہ سورۃ یوسف کی

[1]. Asrar-e Khudi pp. 19/19

آیت نمبر ١٦ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السّلام اور حضرت بن یامین کے حاسد و دروغ گو سوتیلے بھائیوں سے فرمایا: "قَالَ اِنمّا اَ شکْو ا بَثّی و حْزنی اِلَاللّٰہ" یعنی "میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ سے سوا کسی سے نہیں کرتا......" اگر بالفرض شکوہ سے شکایت بھی مرادلیجائے، توبقول مولانا بندہ کی اپنے خالق سے شکایت کرنا محبوب اور بندوں سے شکایت کرنا معیوب ہے۔ اگر "زاہدِ تنگ نظر" شکایت کے مفہوم سے نا آشنا ہے تو اقبالِ نکتہ شناس نے ابتدا ہی میں یہ کہہ کر "شکوہ اللہ سے خاکم بدہن ہے مجھ کو" معذرت خواہی کرلی تھی۔ افسوس یہ ہے کہ آج بھی ایسے کم نہاد نکتہ چیں موجود ہیں جو اقبال کی فکر اور زبان و بیان کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اسی ضمن میں اقبال نے اپنے جذبہ صادق کا اظہار بحضور سرورِ کائنات یوں کیا:

گر دلم آئینۂ بے جوہر است   ور بہ حرفم غیر قرآن مضمر است
تنگ کن رختِ حیات اندر برم   اہلِ ملّت را نگہدار از شرم
روزِ محشر خوار و رسواکن مرا   بے نصیب از بوسۂ پا کن مرا[1]

[یارسول اللہ، اگر میرے دل کا آئینہ جوہر سے خالی ہے اور اگر میری بات میں قرآن کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے تو میرا جامۂ زندگی تنگ فرمادیجے اور ملتِ اسلامیہ کے افراد کو میرے شر سے محفوظ رکھیے۔ میرے آقا آپ قیامت کے دن مجھے اس طرح ذلیل ورسوا کیجے کہ مجھے اپنے پاوں کے بوسہ سے بھی محروم فرمادیجے۔]

ایک دوسرے مقام پر بارگاہِ خداوندی میں یوں عرض گزار ہوئے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر   روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم راتو بینی ناگزیر   از نگاہِ مصطفٰی پنہاں بگیر[2]

[اے رب العالمین آپ ہر دو جہاں سے غنی ہیں، روزِ محشر میرا عذر قبول فرمالیجے، اگر نامۂ اعمال میں میرے گناہ ناقابلِ معافی ہیں تو یہ کرم کیجے کہ انھیں نگاہِ مصطفٰے صلیٰ علیہ وسلم سے مخفی و پوشیدہ رکھیے۔]

اس رباعی میں بھی اسی استدعا کی تکرار بہ اندازِ دگر ہے:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر   شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر

---

[1] Ramooz-e Be Khudi pp. 168168

[2] Iqbal donated these verses Muhammad Ramzan Atai on his request, hence not not available in any Iqbal's book.

مکن رسوا حضور خواجہ مارا حساب من ز چشمِ او نہاں گیر[1]

[قیامت کے روز جب یہ جہانِ پیر اپنے انجام کو پہنچے اور ہر پوشیدہ تقدیر ظاہر ہو جائے۔ تو یا اللہ، اس دن میرے آقا کے سامنے مجھے رسوا نہ کیجے۔ میرا حساب لیجیے مگر حضور کی نگاہ سے پوشیدہ رکھیے۔]

ایک طویل نظم "کلیمی" میں فرماتے ہیں:

معنیء جبریل و قرآن است تو فطرت اللہ را نگہبان است تو
حکمرانے بے نیاز از تخت و تاج بے کلاہ و بے سپاہ و بے خراج
صحبت او ہر خزف را دُر کند حکمتِ او ہر تہی را پُر کند[2]

[نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ وسلم کی زندگی پیغامِ جبریل اور قرآن کا عملی نمونہ ہے۔ وہ فطرت اللہ دینِ اسلام کے نگہبان ہیں۔ وہ ایسے حکمران ہیں جو تخت و تاج سے بے نیاز، نہ کلاہ رکھتے ہیں، نہ سپاہ اور نہ کسی سے خراج وصول کرتے ہیں، ان کی صحبت ہر سنگریزے کو موتی بنا دیتی ہے اور آپ کی حکمت ہر تہی دست کا دامن مراد بھر دیتی ہے۔]

جاوید نامہ میں حضور اقدس صلیٰ اللہ علیہ کے مقام و مرتبہ کی یوں نشان دہی فرماتے ہیں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰ او را بہا است یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰ است[3]

[اس جہانِ رنگ و بو میں جس طرف بھی نظر کیجے {تو آپ دیکھیں گے} کہ اس خاک سے جو بھی آرزو پیدا ہوتی ہے، وہ یا تو نورِ مصطفیٰ صلیٰ اللہ علیہ وسلم سے ضوفشاں ہو رہی ہے یا ابھی تک آپ صلیٰ علیہ وسلم کی تلاش میں سرگرداں ہے۔]

اقبال علیل تھے۔ خواب میں سر سید علی رحمتہ کو دیکھا جنھوں نے امام بوصیری رحمتہ علیہ کے معروف قصیدہ بردہ کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ امام بوصیری نے جان لیوا علالت میں عشق سے لبریز ایک غیر فانی نظم "قصیدہِ بردہ" بارگاہِ رسالت مآب میں پیش کی۔ رحمتِ عالم نے خواب میں امام بوصیری کو اپنی دید سے مشرف فرمایا اور انھیں اپنی چادر [بردہ] مبارک عطا فرمائی اور نتیجتاً بوصیری شفایاب ہوئے۔ اقبال نے بھی ان کی پیروی کرتے ہوئے ایک نظم "در حضور رسالت مآب" بطور فریاد پیش کی، آپ کے الطاف و کرم کے طالب ہوئے اور شفا پائی:

گردِ تو گردد حریمِ کائنات از تو خواہم یک نگاہِ التفات

1 Armaghan-e Hijaz pp. 18/900
2 Pas Che Bayad Kard pp. 12/808
3 Javed Nama pp. 128/717

چوں بصیری از تو میخواہم کشود　　تا بمن باز آید آں روزے کے بود
مہر تو برعا صیاں افزوں تر است　　در خطا بخشی چو مہرِ مادر است
اے وجو دِ تو جہاں را نو بہار　　پر تو خود را دریغ از من مدار
گر چہ کشتِ عمرمن بے حاصل است　　چیز کے دارم کہ نامِ او دل است
دارمش پوشیدہ از چشمِ جہاں　　کز بسمِ شبدیزِ تو دارد نشاں[1]

[کائنات آپ کے حریم ناز کا طواف کرتی ہے، میں آپ کی ایک نگاہِ التفات کا بھکاری ہوں۔ میں بھی بوصیری کی طرح آپ سے شفا کا خواہاں ہوں تا کہ میرے صحت مندی کے دن لوٹ آئیں۔ گناہگاروں پر آپ کی شفقت زیادہ ہوتی ہے اور خطائیں معاف کرنے میں آپ کی شفقت ماں کی شفقت کے مانند ہے۔ آپ کا وجودِ مبارک جہاں کے لیے نو بہار ہے، اپنے عکسِ جمال سے مجھے محروم نہ رکھیے۔ اگر چہ میری عمر کی کھیتی لا حاصل ہے، مگر میں ایک چھوٹی سی چیز "دل" نام کی رکھتا ہوں۔ میں نے اسے لوگوں کی نظر سے پنہاں اس لیے رکھا ہے کہ اس پر آپ کے اسپِ مشکیں کے سم کا نشان موجود ہے۔]

"اسرارِ خودی" میں فرماتے ہیں:

ہست معشوقے نہاں اندر دلت　　چشم اگر داری بیا بنما ئمت
دل ز عشقِ او توانا می شود　　خاک ہمدوشِ ثریا می شود
خاکِ عالم از دو عالم خوشتر است　　اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است[2]

[تیرے دل کے اندر ایک معشوق نہاں ہے، اگر تیرے پاس آنکھیں ہیں تو ادھر آ میں تجھے دکھادوں۔ اس کے عشق سے دل توانائی پاتا ہے اور خاک ثریا کی ہم مرتبہ بن جاتی ہے۔ مدینہ منورہ کی زمین دونوں جہانوں سے زیادہ محبوب ہے اس لیے کی اس ٹھنڈے شہرِ مبارک میں اپنا دلبر ہے۔]

اقبال عشقِ رسالت مآب میں اس قدر غرق تھے کہ جب بھی حضور کا نامِ نامی سنتے انکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے۔ حالانکہ ان کے نزدیک:

معنی دیدارِ آں آخر زماں　　حکم او در خویشتن کردن رواں
در جہاں زی چوں رسولِ انس وجاں　　تا کہ او باشی قبولِ انس و جاں
باز خود را بیں ہمیں دیدارِ اوست　　سنتِ او سّرے از اسرار اوست[3]

---

1 Pas Che Bayad Kard pp. 50/846
2 Asrar-e Khudi pp. 10/19
3 Javed Nama pp. 130/718

[اتباعِ رسول اور تقلیدِ نبوی کا نام دیدار رسول ہے۔ دنیا مِن ایسے بسر کرو جیسے رسولِ پاک کا اسوہ حسنہ تم کو تلقین کرتا ہے۔ اگر تم ایسا کرگے تو تم کو جن و انس سب میں قبولیت حاصل ہو جائے گی۔ آپ کی سنت کی پیروی میں ڈوب کر خود شناسی حاصل کرو، یہی آپ کا دیدار ہے۔ یاد رکھو کہ آپ کا اسوۂ حسنہ اور آپ کی سنت آپ کے اسرار میں سے ہے۔]

اس کے باوجود بھی اقبال مدینۃ النبی کی زیارت کے لیے عمر بھر تڑپا کیے لیکن دل کی انکھوں سے بار ہا اس ٹھنڈے شہر کی دید و حاضری سے سرفراز ہوئے۔ چند رباعیاں اس عشق و سرور و مستی کی آئینہ دار، راکب و مرکب کی کیفیات اور راہ گزر کے حسین مناظر کا جذبہِ عشق کے ساتھ اتصالِ اور پھر ان کے اظہار میں کیف و سرور، شوق و مستی، آہنگ و نغمگی اور سوز و گداز، اقبال کی غیر فانی تخلیقی فن کارانہ صلاحیت کی عظمت کے شاہکار ہیں:

بچشمِ من نگہ آوارهٔ تست — فروغ لا الہ آوردهٔ تست
دو چارم کن بہ صبح 'مَن رَآنی' — شبم راتاب مہ آوردهٔ تست[1]

[میری آنکھ میں نگاہ آپ کی بدولت ہے اور میرے قلب میں لا الہ کا نور آپکی عنایت سے ہے۔ آپ ہی نے میری رات کو چاندنی عطا فرمائی، اب مجھے اپنے مبارک دیدار کی صبح سے بھی مشّرف فرمائیے۔]

بدن واماندو جانم درتگ و پوست — سوئے شہرے کہ بطحا در رہِ اوست
تو باش ایں جا و باخاصاں بیامیز — کہ من دارم ہوائے منزلِ دوست[2]

[میرا جسم تھک گیا اور میری روح اس شہر کی طرف بھاگ دوڑ کر رہی ہے، جس کے راستے میں بطحا یعنی مکہؓ آتا ہے۔ تو یہاں مکہ میں اپنے خاص بندوں کے ساتھ مل بیٹھ، میں اپنے محبوبؐ کی منزل (مدینہ) کی آرزو رکھتا ہوں۔]

درآں دریا کہ او را ساحلے نیست — دلیل عاشقاں غیر از دلے نیست
تو فرمودی رہِ بطحا گرفتیم — وگر نہ جز تو مارا منزلے نیست[3]

[عشق کا دریا وہ ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، وہاں دل کے سوا عاشقوں کا کوئی راہنما نہیں۔ آپ نے فرمایا تو مکۃ مکرمہ چلا گیا، ورنہ آپ کے سوا میری اور کوئی منزل نہیں۔]

بایں پیری رہِ یثرب گرفتم — نواخواں از سرورِ عاشقانہ
چو آں مرغے کی در صحرا سرِ شام — کشاید پر بہ فکرِ آشیانہ[4]

---

[1] Armaghan-e Hijaz pp. 52/934
[2] Armaghan-e Hijaz pp, 19/901
[3] Armaghan-e Hijaz pp. 46/98
[4] ------------Do-------- pp. 50/932

[میں نے سرورِ محبت میں نغمے الاپتے ہوئے، اس بڑھاپے میں مدینہ منورہ کا راستہ اختیار کیا۔ اس پرندہ کی طرح جو صحرا میں شام کے وقت آشیانہ کی فکر میں اپنے پر کھولتا ہے۔]

سحر با ناقہ گفتم نرم تر رو   کہ راکب خستہ و بیمار و پیر است
قدم مستانہ زد چنداں کہ گوئی   بپایش ریگِ ایں صحرا حریر است[1]

[میں نے صبح کے وقت اپنی اونٹنی سے کہا کہ ذرا آہستہ چل، تیرا سوار تھکا ماندہ اور بیمار ہے۔ مگر اس نے {اسے ادراک تھا کہ اس کا رخ کاشانہ رسول کی جانب ہے} ایسے مستانہ وار قدم بڑھایا کہ کہنا پڑا کہ صحرا کی ریت اس کے پاوں کے نیچے ریشم کی طرح نرم ہے۔]

چہ خوش صحرا کہ دروے کارواں ہا   درودے خوا ند و محمل برا ند
بہ ریگِ گرم او آور سجو دے   جبیں را سوز، تا داغے بما ند[2]

[کیا ہی خوب ہے وہ صحرا جس میں قافلے درود شریف پڑھتے ہوئے سواریاں آگے بڑھا رہے ہیں۔ تو اس کی گرم ریت پر سجدہ کناں ہو کر اپنی پیشانی جلادے تاکہ اس پر {سجدہ کا نشان} باقی رہ جائے۔]

چہ خوش صحرا کہ شامش صبح خند است   شبش کو تاہ و روزِ او بلند است
قدم اے راہرو آہستہ تر نہ   چو ما ہر ذرہء او درد مند است[3]

[کیا خوب ہے صحرائے حجاز جس کی شام میں صبح کا تبسم ہے۔ اے مسافر ذرا آرام سے قدم رکھ، یونکہ اس صحرا کا ہر ذرّہ ہماری طرح درد مند ہے۔]

غمِ راہی نشاط آمیز تر کن   فغانش را جنوں انگیز تر کن
بگیر اے سارباں راہِ درازے   مرا سوزِ جدا ئی تیز تر کن[4]

[اے سارباں، تو مسافر کے غم {عشق} کو اور زیادہ نشاط انگیز بنا، اس آہ و فغاں کو اور جنوں انگیز کر دے۔ کوئی طویل راستہ اختیار کر، اور اس طرح میرے سوزِ جدائی کو فزوں تر کر دے۔]

اقبال کا جب دیار حبیب کے منظر کا سامنا ہوا تو وارداتِ عشق و عقیدت، تائثرات قلب، اور سوز و گداز کی تمام تر گہرائیوں کے ساتھ یوں گہر افشاں ہوئے، کہ آپ اپنی تمام بیدار ظاہری اور باطنی حسوں کے ساتھ خود کو اقبال کا ہمسفر پاتے ہیں اور ریگ زارِ عرب کا ہر ہر منظر آپ کو معرفتِ حسن بخشتا ہے۔ آیئے اقبال کے ساتھ سرزمینِ انبیاء فلسطین چلتے ہیں اور مدینۃ النّبی کے گرد و نواح کے منظر سے مشامِ

---

1 ------------Do--------. pp. 25/907
2 -----------Do----------pp. 26/908
3 ------------Do----------pp. 27/909
4 Armaghan-e Hijaz pp. 29/911

جاں کو معطر کرتے ہیں۔ ان اشعار میں عربی شاعری کی تلمیحات کی گھلاوٹ و شیشرینی بھی دامنِ دل کھینچتی ہے:

قلب و نظر کی زندگی دشت میں صبح کا سماں — چشمۂ آفتاب سے نور کی ندیاں رواں
حسنِ ازل کی ہے نمود چاک ہے پردۂ وجود — دل کے لیے ہزار سود، ایک نگاہ کا زیاں
سرخ و کبود بدلیاں چھوڑ گیا سحاب شب — کوہِ اِضم کو دے گیا رنگ برنگ طیلساں
گرد سے پاک ہے ہوا برگِ نخیل دھل گئے — ریگِ نواحِ کاظمہ نرم ہے مثلِ پرنیاں
آئی صدائے جبرئیل تیرا مقام ہے یہی — اہلِ فراق کے لیے عیشِ دوام ہے یہی[1]

عالمِ خیال میں ذوق و شوق کی یہ منزلیں کیسی وارداتِ قلبی کے ساتھ طے ہوئی ہیں یہ وہی دل جان سکتا ہے جو عشق کے نشہ سے شاداب و سرشار ہو۔ آپ بھی ان رباعیوں کے سحر سے گرفتار ہو کر عشق مصطفیٰ کی لذت سے قریہ جاں کو بہار بداماں کیجیے:

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم — من و تو کشتۂ شانِ جمالیم
دو حرفے بر مرادِ دل بگویم — بپائے خواجہ چشماں را بمالیم[2]

[{اب اقبال چشمِ تصور میں روضۂ اطہر پر پہنچ چکے ہیں۔} اے دوست آ، ہم اکٹھے مل کر آنسو بہائیں، کیونکہ میں اور تو، دونوں حضور اکرم کی شانِ جمالی کے شہید ہیں۔ آپنی مراد کے مطابق دو حرف عرض کر دیں، اور آقا کے پائے مباک پر اپنی آنکھیں ملیں۔]

یہاں دل کی مراد بر آنے اور عشق کی مکمل فتح سے سرشاری کی کیفیت کا اظہار کس قدر دلفریب انداز میں ہو رہا ہے:

حکیماں را بہا کمتر نہا دند — بنا داں جلوۂ مستانہ دا دند[3]
چہ خوش بختے، چہ خرّم روزگارے — درِ سلطاں بہ درویشے کشا دند[4]

[یہاں داناوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، البتہ، نادان کو اپنے جلوۂ مستانہ سے بہریاب فرماتے ہیں۔ وہ درویش کتنا خوش نصیب ہے، جس کے لیے بارگاہِ سلطانی میں باریابی کا دروازہ کھولا گیا۔]

اقبال کے جذبہ عشق پر انکا یہ شعر کس قدر صادق آتا ہے:

عمر ہا در کعبہ وبتخانہ می نالد حیات — تا زِ بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں[5]

---

[1] Bal-e Jibreel pp. pp. 114/438
[2] Armaghan-e Hijaz pp. 29/911
[3] Armaghan-e Hijaz pp. 112/994
[4] ---------------DO---------- 29/911
[5] Zaboor-e Ajam pp. 46/390

[زندگی برسوں کعبہ وبت خانہ میں آہ وزاری کرتی ہے تب کہیں جا کر کائناتِ عشق سے کوئی {اقبال جیسا} رازداں نمودار ہوتا ہے۔]

اس شعر میں عرفانِ وعشق رسول ملاحظہ ہو:

می توانی منکرِ یزداں شدن منکر از شانِ نبی نہ تواں شدن[1]

[تو کسی نہ کسی خدا کا منکر تو ہو سکتا ہے، لیکن شانِ نبی سے ہر گز منکر نہیں ہو سکتا۔{اگر حضور تشریف نہ لاتے تو ہمیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا عرفان کیسے میسر آتا}۔]

اقبال کی فکر و فن کی بے شمار جہات ہیں، لیکن ان سب میں عشق رسول صلیٰ علیہ وسلم کی جہت بہت ممتاز ہے اور اس پر بہت لکھا جا سکتا ہے۔ اقبال کی روح سے معذرت کے ساتھ ایک تصرف کی جسارت کرتے ہوئے انکے اس شعر پر اپنی تشنہ تحریر ختم کر رہا ہوں:

طوالت کے سبب سے "میں نے غوّاصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لؤلؤ و لالہ"

[1] Javed Nama pp. 70/658

کتابیات

آغا، ڈاکٹر وزیر: ''تصورات عشق خرد اقبال کی نظر میں''، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۰ء

بقا، محمد شریف: ''اقبال اور تصوف''، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس، دہلی، ۲۰۰۴ء

جعفری، منظور احمد: ''عرفانِ اقبال''، ندرت پرنٹرز، لاہور، ۱۹۷۵ء

حامد، ڈاکٹر مظہر جاوید: ''اقبال کی متصوفانہ فکر''، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، جولائی-ستمبر، ۲۰۱۴ء

حامد، ڈاکٹر مظہر جاوید: ''اقبال کے ہمعصر معترضین''، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، سانامہ ۲۰۱۳ء

خان، ڈاکٹر یوسف حسین: ''روحِ اقبال''، آئینۂ ادب، لاہور، ۱۹۴۹ء

شکیل، شاہ مصباح الدین: ''عشق رسول اور اقبال''، سیارہ ڈائجسٹ، لاہور، ۱۹۷۳ء

طارق، عبدالرحمان: ''جوہرِ اقبال''، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۱ء

عظیم، سید وقار: ''اقبالیات کا مطالعہ''، اقبال اکادمی، لاہور، ۱۹۹۵ء

فاروقی، ڈاکٹر محمد طاہر: ''اقبال اور محبتِ رسول''، اقبال اکادمی، لاہور، ۲۰۰۲ء

قریشی، محمد اسماعیل: ''علامہ اقبال بحیثیت مفسر قرآن''، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، سالنامہ ۲۰۰۸ء

کامران، ڈاکٹر شاہد اقبال: ''تصوف اور اقبال''، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، اپریل-جون، ۲۰۰۶ء

''کلیاتِ اقبال''، جلد اول و دوم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۹۲ء

زیدی، پروفیسر نغمہ: ''مسجدِ قرطبہ، شاعر مشرق کی ایک شاہکار نظم''، سہ ماہی الاقربا، اسلام آباد، اکتوبر-دسمبر، ۲۰۱۱ء